پروفیسر طفیل دارا

اورنگ زیب عالمگیرؒ کی زندگی کا ایک رُخ

اگر کسی انسان کو جانچنا اور اس کا مقام متعین کرنا مقصود ہو، تو اسے اسی چوکھٹے کے اندر رکھ کر جانچنا ہوگا جس چوکھٹے کی وہ تصویر ہونے کا داعی ہو۔ کسی شخص کو پرکھنے والے کے اپنے اصول و نظریات کی کسوٹی پر کسنے سے اس کے بارے میں ہماری رائے اور نتیجہ تو سامنے آجائیں گے، مگر زیر نظر انسان کے اصل، وا صول یقیناً تاریکی میں ڈوبے رہ جائیں گے۔ اس روز روشن کی طرح واضح اور دعدل کے سچے اصول کو شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر لاگو نہیں کیا گیا۔ ان کی ہر بات اور ہر عمل اس بات کا داعی ہے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور اسلامی اصول ان کا لائحۂ حیات۔ لیکن ان کے ساتھ یہ کھلی زیادتی ہے کہ آج تک انھیں غیر مسلموں نے اپنے اپنے اصولوں کی ترازو میں تول تول کر ان پر زمانے بھر کے الزامات تو لگا دیے ہیں مگر کسی کو کبھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ عالمگیر کو اسلامی اصولوں پر پرکھے اور اس پرکھ سے حاصل کردہ نتائج کی روشنی میں انھیں دنیا کے سامنے رکھے۔ اورنگ زیبؒ کو ان کی اصل کے مطابق جانچنے کا فریضہ مسلمانوں کے ذمے ہے، مگر ہو یہ رہا ہے کہ غیر مسلموں نے اپنے اصولوں کے مطابق ان کے بارے میں جو رائے قائم کر دی ہے، اکثر و بیشتر مسلمان بھی اسی رائے کو صحیح خیال کرتے ہوئے ان کے بارے میں سوچتے اور فیصلے دیتے ہیں۔

اورنگ زیب نے اپنی تمام عمر میں ہر مقام پر اپنے پکے مسلمان ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ انسان جن اصولوں کا قائل ہوتا ہے، وہ انھیں پھیلانے اور بہتر صورت میں دیکھنے کی خواہش بھی کرتا ہے اور حتی المقدور سعی بھی۔ اس سلسلے میں اورنگ زیب کی اسلامی خدمات میں ایک عنصر یہ بھی ملتا ہے کہ وہ ایسے موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، جس سے اسلامی شعائر کی خدمت ہوتی ہو۔ وہ اسلامی شعائر کے مراکز، اسلامی درس گاہوں اور ان کی دیکھ بھال کرنے والوں کی ہمیشہ عملاً سرپرستی کرتے تھے۔ اس سے مسلمانوں میں پہلے سے زیادہ دینی شعائر کی طرف جھکاؤ ہونے لگا اور دینی مراکز میں پہلے سے زیادہ رونق نظر آنے لگی۔ ایسا ہونا قدرتی امر تھا، کیوں کہ جس طرف حاکمِ وقت کا رجحان ہو دوسرے لوگ از خود ادھر ہی کو اپنا رخ موڑ لیتے ہیں۔

اورنگ زیب نے اسلامی شعائر کے مراکز اور ان کے متوسلین کی جس طرح ہر موقعے پر کھلے دل سے سرپرستی

کی اور اپنی دین داری کا ایک مفید اور دور رس ثبوت دیا۔ اس کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

اپنی تخت نشینی کے بعد ۱۶۵۹ء میں اورنگ زیب نے میر ابراہیم ولد میر مغاں کو چھ لاکھ تیس ہزار روپے اور مختلف سامان دے کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ وہ یہ رقم اور سامان حرمین شریف کے اہل استحقاق میں تقسیم کرے۔

اسی سال شہنشاہ کے ایما پر ان کی قیام گاہ کے قریب ایک مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ یہ منقش اور خوش قطعہ مسجد پانچ سال کے عرصے میں مکمل ہوئی اور اس کی تعمیر پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے صرف ہوئے۔

اورنگ زیب نے ۱۶۶۱ء میں حاجی احمد سعید کو چھ لاکھ ساٹھ ہزار روپے حرمین شریف کی خدمت کے لیے دے کر بھیجا۔ حاجی احمد سعید جب ۱۶۶۵ء میں واپس آئے تو ان کے ساتھ شریف مکہ کا قاصد سعید یحییٰ بھی آیا اور شاہی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس نے تین گھوڑے اور کچھ تبرکات پیش کیے۔ اورنگ زیب نے اسے چھ ہزار روپے اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔

شریف مکہ کے ایک قاصد سید عثمان کو جب اورنگ زیب نے ۱۶۶۸ء میں مکہ مکرمہ کو واپس جانے کی اجازت دی تو اسے نو ہزار روپے اور ایک گھوڑا مع نقرئی ساز کے عطا کیا۔

۱۰۷۸ھ (۱۶۶۸ء) کی سترہ شعبان کو اورنگ زیب اپنے والد مرحوم شاہجہان کے مزار پر گئے۔ انھوں نے وہاں کے مجاوروں کے لیے چوالیس ہزار روپے بطور نذر دیے۔

شریف مکہ کا فرستادہ قاصد شیخ علی خاں ۱۶۷۱ء (۱۰۸۱ھ) میں دو عربی گھوڑے اور شمشیر بند و باز نقرہ لے کر اورنگ زیب کے حضور حاضر ہوا۔ اورنگ زیب نے اسے دس ہزار روپے اور کچھ اشرفیاں اور ایک مرصع خنجر عطا کیا۔

اسی سال اکبر آباد سے دہلی جاتے ہوئے اورنگ زیب حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ اور دونوں مزاروں کے مجاوروں کو ایک ہزار پانچ سو روپے بطور نذر پیش کیے۔

۱۶۷۵ء (۱۰۸۵ھ) میں اورنگ زیب نے شریف مکہ کے حاجب سید علی کو مکہ واپس بھیجتے وقت پانچ ہزار روپے اور ایک خلعت دیا۔

۱۶۷۵ء (۱۰۸۵ھ) کے واقعات تحریر کرتے ہوئے مصنف "مآثر عالمگیری" لکھتا ہے: "ہر سال جو رقم

(بطور) نذر حرمین شریفین کو روانہ کی جاتی تھی، وہ اس سال بھی روانہ فرمائی گئی۔ عابد خاں کو میر حجاج مقرر فرمایا گیا اور اسے خلعتِ رخصت مرحمت ہوا۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سید محمد بیجا پوری ۱۶۷۸ء (۱۰۸۸ھ) میں اورنگ زیب سے ملنے آئے۔ اورنگ زیب نے ان کے بزرگ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات کے پیش نظر ان کا آٹھ ہزار روپے کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کی دینی خدمت ایک نمایاں کارنامہ ہے۔ ان کے ایک فرزند سید یوسف تھے۔ اورنگ زیب نے حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز کی بزرگی کے اعزاز میں ان کے بیٹے کو ۱۶۷۳ء (۱۰۹۳ھ) میں ایک مادہ فیل بطور انعام دی۔

شریفِ مکہ کا ایلچی مسمّیٰ احمد آقا ۱۶۸۲ء (۱۰۹۲ھ) میں اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اورنگ زیب نے اسے دو ہزار روپے عنایت کیے۔

اورنگ زیب ۱۶۸۷ء (۱۰۹۷ھ) میں حضرت سید بندہ نواز گیسو درازؒ کے مزار واقع گلبرگہ پر فاتحہ خوانی کے لیے گئے اور وہاں خانقاہ کے سجادہ نشینوں، مجاوروں، زائروں اور محتاجوں میں بیس ہزار روپے تقسیم کیے۔

اگلے برس یعنی ۱۶۸۸ء (۱۰۹۸ھ) کو اورنگ زیب پھر حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز کے مزار پر حاضر ہوئے۔ "خواب گاہ شریف" کے مجاور و خدام کو انعام و عطیات سے شاد فرمایا۔"

اگرچہ کتابوں میں حرمین شریف بھیجی جانے والی صرف چند رقوم ہی کا ذکر ملتا ہے۔ مگر جیسا کہ گزشتہ سطور میں ایک مقام پر کہا گیا ہے، اورنگ زیبؒ ہر سال ایک خطیر رقم مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھیجا کرتے تھے۔

انسان کو جو چیز یا بات عزیز ہو، وہ اس کا احترام بھی کرتا ہے۔ اورنگ زیبؒ کو دینِ اسلام سب باتوں سے زیادہ عزیز تھا، اس لیے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس کے احترام کی پابندی کرتے تھے۔ اپنی عزیز چیز یا بات کو محترم قرار دینا اور مقدور بھر اس کا احترام کرنا اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ اس کا احترام نہ کیا جائے تو عوام کی نگاہوں میں اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اکبر اور اس کے بعد کے مغل بادشاہوں نے اس احترام کو کم ہی مدنظر رکھا تھا، مگر اورنگ زیب نے اس کی اہمیت پر پورا پورا زور دیا اور خود بھی اس کے جملہ پہلوؤں کے احترام کو عملاً قائم رکھا۔ دینی امور کے احترام کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کسی نعمت کے عطا ہونے پر خدا کا شکر ادا کرنا احترامِ دین میں شامل ہے۔ اورنگ زیب جنگوں

میں اپنی ہر فتح پر سجدہ ریز ہوجاتے تھے، اور اس فتح کو "سرکارِ عالم، پیغمبرِ اسلام کا روشن ترین معجزہ" سمجھتے تھے۔

"قدیم زمانے سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ اشرفی اور روپے پر کلمہ طیبہ نقش کیا جاتا تھا۔ یہ سکے انسانوں کے ہاتھوں میں آتے اور پاؤں کے نیچے پامال ہوتے تھے۔ اورنگ زیب نے حکم دیا کہ یہ طریقہ بے ادبانہ ہے، اسے ترک کیا جائے، اور اس کے بجائے کچھ اور کلمات سکوں پر کندہ کیے جائیں۔"

اسلام برائی ہی سے نہیں بلکہ ان باتوں سے بھی دور رہنے کی تلقین کرتا ہے جو برائی کا باعث بن سکتی ہوں۔ موسیقی اپنی ساری خوبیوں کے باوجود برائی کے جراثیم سے پاک نہیں، اسی لیے مسلمانوں کو موسیقی سے پرہیز کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ اسی امر کے پیشِ نظر اورنگ زیب نے ۱۶۶۸ء (۱۰۷۸ھ) میں یہ حکم دیا کہ "سرگروہ اربابِ نشاط عالی خاں، بہرام خاں، رس بین و دیگر موسیقی دان صرف مجرائے شاہی کے لیے دربار میں حاضر ہوں، لیکن نغمہ پردازی نہ کریں، مگر آخر میں بتدریج ان کی حاضری بھی بند ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلیل عرصے میں ہر خرد و بزرگ کے دل سے نغمہ و سرود کی آرزو قطعاً جاتی رہی۔"

ایک دین دار حاکم یا رعایا کا فرد نہ صرف خود دین کا احترام کرتا اور اسے غیر اسلامی باتوں سے پاک رکھتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس سے دین کا احترام اور اس پر عمل کا سلسلہ باقی رہے۔ سو ۱۶۶۹ء (۱۰۷۹ھ) میں اورنگ زیب کو پتا چلا کہ ٹھٹھہ اور ملتان کے صوبوں میں بالعموم اور بنارس میں بالخصوص براہمنوں نے ایسے مدارس قائم کر رکھے ہیں، جہاں وہ لوگوں کو "کتبِ باطلہ" کا درس دیتے ہیں اور ہندو اور مسلمان طلبا دور دراز کے مقامات سے سفر کر کے ان علوم کی تحصیل کے لیے آتے ہیں۔ اورنگ زیب نے ان صوبوں کے حاکموں کے نام فرمان جاری کیے کہ یہ مدارس مسمار کر دیے جائیں اور ان علوم کے درس و تدریس کی ممانعت کی جائے۔

مغلیہ بادشاہوں کو سلام کرتے وقت اہلِ دربار اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیتے تھے۔ ۱۶۷۰ء (۱۰۸۰ھ) میں اورنگ زیب نے کہا کہ یہ طریقہ سنتِ نبوی کے خلاف ہے۔ آئندہ لوگ مسنون طریقہ پر سلام کریں، یعنی صرف زبان سے السلام علیکم کہا کریں، ہاتھ نہ اٹھایا کریں اور نہ ہاتھ اپنے سر پر رکھا کریں اور نہ سجدہ کرنے کے انداز میں جھکا کریں۔

اسی سال اورنگ زیب نے حکم دیا کہ شہزادوں اور امرا کی کشتیوں اور پالکیوں پر فرنگیوں سے مشابہ زنجیریں

نہ لٹکائی جائیں۔ اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو کسی لحاظ سے بھی کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار نہیں کرنی چاہیے تاکہ ان کی اپنی انفرادیت واہمیت برقرار رہے۔

اسلام نے اسراف اور نمود و نمائش سے منع کیا ہے۔ کیوں کہ رعایا کا بادشاہ یا امرا کو نذریں پیش کرنا بھی غیر اسلامی بات ہے، سو اورنگ زیب نے اس دینی حکم کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے ۱۶۷۸ء (۱۰۸۸ھ) میں حکم دیا کہ آئندہ کوئی کسی کو نذر نہ پیش کرے اور لکھنے والے چاندی کی دواتوں کے بجائے چینی اور پتھر سے بنی ہوئی دواتیں استعمال کریں۔ طلائی و نقرئی عود سوز دربار خاص و عام میں نہ سلگائی جائیں۔ غور فرمائیے! معاشیاتی نقطۂ نظر کے مطابق یہ کیسا عمدہ انداز کفایت شعاری تھا۔

احکام شریعت کو رواج دینے کے لیے اورنگ زیب نے ۱۶۷۹ء (۱۰۸۹ھ) میں حکم جاری کیا کہ ذمیوں سے جزیہ وصول کیا جائے۔ یہ یاد رہے کہ مسلمان تو زکوٰۃ اور عشر دیتے ہیں جب کہ جزیہ غیر مسلموں پر اسلامی حکومت کا ایک ٹیکس ہے، جس کی رقم بڑی معمولی ہوتی ہے اور اس کے بدلے میں اسلامی حکومت ذمیوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ تاریخ میں ایسے واقعات ملتے ہیں جب کہ اسلامی حکومت غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت کرنے کے قابل نہ رہی تو حکومتِ وقت نے غیر مسلموں سے وصول کردہ جزیہ انھیں واپس دے دیا۔

۱۶۹۴ء (۱۱۰۴ھ) کا ذکر ہے کہ ساداتِ بارہہ کا ایک سید جو سرکاری ملازم تھا، امان اللہ شاہ سرکاری ملازم کے ہاتھوں مارا گیا۔ سادات بارہہ نے قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔ اورنگ زیب نے انھیں ایسا کرنے سے روکنے کی سعی کی اور اس قرآنی آیۂ کریمہ کا بھی حوالہ دیا۔

"ترجمہ: "اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔"

پہلے تو ساداتِ بارہہ نے اس بات پر کان نہ دھرا اور آخر دو روز گزرنے پر سادات کی ایک جماعت دیوانِ عدالت سے باہر کی جانب آکر کھڑی ہو گئی۔ اورنگ زیب نے حکم دیا کہ وہ قاضی القضاۃ سے رجوع کریں تاکہ تصفیے کا شریعت کے مطابق فیصلہ ہو۔ اس پر اس جماعت نے کہا: "ہم کو قاضی سے کیا سروکار! ہم خود اپنے حریف سے نمٹ لیں گے۔"

اورنگ زیب قاضی القضاۃ کی اس ذریعہ ہتک پر سخت ناراض ہوئے اور اس جماعت کے کئی افراد کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ بعض افراد کو ان کی ہزار التماس اور مقربانِ سرکار کی سفارشوں کے

بعد خدمت پر بحال کیا۔

اورنگ زیب ایک باغی راجا راما کے تعاقب میں ۱۷۰۰ء (۱۱۱۰ھ) کو قلعہ بسنت گڑھ سے آگے بڑھ کر مرتضی آباد عرف مرج کے مقام پر خیمہ زن تھے کہ انھیں اطلاع ملی کہ نواح پرگنہ کر میں ایک مسجد اسلاف کی تعمیر کردہ بطور یادگار کے موجود ہے، مگر ہندوؤں کے زیر اقتدار علاقے میں ہونے کی وجہ سے غیر آباد پڑی ہے۔ یہ اطلاع پاکر اورنگ زیب چار میل کا فاصلہ طے کر کے اس مسجد تک پہنچے اور وہاں دو رکعت نفل ادا کیے، آئندہ اس مسجد کو آباد رکھنے کے پورے پورے انتظامات کیے اور ایک جمعیت اس کی حفاظت کے لیے مقرر کی۔ اس پر وہاں سے ہندوؤں کے ستائے ہوئے مفرور مسلمان آکر آباد ہوگئے اور اورنگ زیب نے ان کی نئے سرے سے آبادکاری کے لیے ایک بڑی رقم دی۔

اورنگ زیب نے ۱۷۰۲ء (۱۱۱۳ھ) میں قلعہ کھیلنا فتح کیا اور خود قرآن مجید سے اس فتح کی تاریخ فال نکالی تو یہ آیت برآمد ہوئی۔ الحمد للہ الذی سخر لنا۔ (یعنی اس خدا کا شکر واجب ہے جس نے ہمارے لیے یہ مسخر کیا) اس لیے اس قلعے کا نام ہی سخر لنا تجویز کیا۔

اگرچہ اپنے آخری وقت میں اورنگ زیب پر مدہوشی اور نقاہت طاری تھی مگر آپ یاد خدا سے غافل نہ ہوتے، حتیٰ کہ عین عالم نزع میں کرب و اضطراب کے باوجود تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے اور اسی حالت میں جان جان آفریں کے حوالے کردی۔

اورنگ زیب کے اسلامی شعائر اور دینی مراکز کی سرپرستی اور احترام دین اسلام کی جو مثالیں پیش کی گئی ہیں، یہ کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ یہ لکھا گیا ہے کہ اورنگ زیب ہر سال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو ایک خطیر رقم بھیجا کرتے تھے، مگر اس کی جو مثالیں دی گئی ہیں وہ صرف چند ایک ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخی کتب میں چند بار ہی رقوم بھیجنے کا ذکر ہے، حالاں کہ اورنگ زیب نے اکیاون (۵۱) برس تک حکومت کی۔ اس لحاظ سے انھوں نے کم از کم اکیاون بار تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو رقوم ضرور بھیجی ہوں گی۔

اسی طرح اورنگ زیب کے احترام دین اسلام کے واقعات کو بھی ہم تعداد میں بڑھا کر دیکھ سکتے ہیں۔

اورنگ زیب خیرات کرنے کی طرف بہت ہی مائل تھے اور جگہ جگہ اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ وہ ہر شخص کو (بلا تمیز مذہب و عقیدہ) غربت یا تنگ دستی کا شکار دیکھ کر تڑپ اٹھتے تھے۔ ان کی یہ عادت بھی اسلامی احکام کی پابندی کی عمدہ مثال ہے۔

اورنگ زیب اپنی جوانی کے آغاز ہی سے تقویٰ و پرہیزگاری کی ایک اعلیٰ مثال تھے اور اس تقویٰ و پرہیزگاری میں ان کی زندگی کے ساتھ ساتھ ترقی ہوتی گئی، حتیٰ کہ ان کی زندگی کا کوئی نجی یا معاشرتی کام ایسا نہ رہا جو ان میں سے کسی ایک کی گرفت سے باہر ہو۔ اس کی ایک مثال ان کی شہزادگی کے زمانے سے پیش کی جاتی ہے۔

شاہ جہان نے اورنگ زیب کو ۱۶۴۷ء میں بلخ کی دور دراز مہم پر بھیجا۔ وہاں ان کا مقابلہ عبدالعزیز سے ہوا۔ ایک دن عین اس وقت جب کہ میدانِ کارزار پوری طرح گرم تھا اور ہر طرف موت ہی موت نظر آتی تھی، اورنگ زیب اپنے ہاتھی سے اترے اور باجماعت نماز میں شامل ہو گئے۔ اگرچہ وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر فوجی افسروں نے سخت خطرے سے آگاہ کیا، مگر انھوں نے فرضوں کے بعد سنت اور نوافل بھی اطمینان سے ادا کیے اور پھر ہاتھی پر سوار ہو کر جنگ میں شریک ہو گئے۔ ان کے تقوے کا یہ عالم دیکھ کر ان کا مخالف عبدالعزیز پکار اٹھا،

"باچنیں کس درافتادن برافتادن است"

(ایسے شخص سے لڑنا خود کو تباہ و برباد کرنا ہے)۔

عبدالعزیز نے یہ کلمات اس لیے کہے تھے کہ اسے معلوم تھا کہ متقی ہمیشہ خدا کے سائے تلے ہوتا ہے اور جو انسان خدا کے سائے تلے ہو، اسے دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

تقویٰ ہر کام اور ہر سوچ میں انسان کو اللہ کی مدد پر پورا بھروسا اور ایسی عظیم طاقت بخشتا ہے، جو کہ دنیا کا بڑے سے بڑا ہتھیار بھی دینے سے قاصر ہے۔ جب مردِ مجاہد کے پاس تقوے کی طاقت اور دنیاوی تلوار ایک ہو جاتے ہیں تو فتح و نصرت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

الفہرست :

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق

اردو ترجمہ : محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآنِ مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام، فصاحت و بلاغت ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعتِ کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیوں کر عالمِ وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

صفحات ۹۴۶ مع اشاریہ قیمت -/۴۵ روپے

اسلام کا نظریۂ تاریخ

مولانا محمد مظہر الدین صدیقی

اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید کے پیش کردہ اصولِ تاریخ صرف گزشتہ اقوام کے لیے ہی نہیں بلکہ موجودہ قوموں کے لیے بھی بصیرت افروز ہیں۔

صفحات ۲۱۶ قیمت -/۱۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور